ایک تبسم آفریں قلم کار خالد محمود

(کلیدی الفاظ: ایک، تبسّم، آفریں، قلم کار، خالد محمود)

ہر کس و ناکس پہ کر لیتا ہے فوراً اعتبار
باخبر کتنا ہے خالد بے خبر ہوتے ہوئے

ڈاکٹر محمد یحیٰ صبا
شعبۂ اردو، کروڑی مل کالج
دہلی یونیورسٹی، دہلی

ملخص

عہد حاضر میں شعر وادب کا منظر نامہ چند ادبی چہروں کی روشنی سے منور اور تاباں نظر آتا ہے ولی سے لیکر میر تقی میر اور غالب سے اقبال، جگر اور فانی تک چند نام ادب میں ستاروں کی مانند نظر آتے ہیں ایسے ہی ناموں میں خالد محمود کا نام شامل ہی نہیں ہے بلکہ سنگ میل کا حکم رکھتا ہے ان کا میدان تحقیق، تنقید اور شاعری ہے۔ اس موضوع پر موصوف کی تقریباً دو درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہوکر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ مزید یہ کہ موصوف شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں صدر شعبہ ہیں اور پچھلے دو دہائیوں سے تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ساتھ ہی باقائدہ فکشن کے موضوع پر تحقیق بھی کر رہے ہیں ان کی بے شمار تخلیقات اسی تجربے اور تحقیق کا نتیجہ ہیں موصوف کی شخصیت اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکی ہے وہ نقاد ہی نہیں بلکہ ادبی صحافی، مترجم اور محقق کی حیثیت سے بھی مشہور و معروف ہیں ڈاکٹر موصوف اس عہد کی وہ عظیم شخصیت ہیں

جنھوں نے مردہ ادبی شریعت کی جسم میں نئی روح پھونکی ہے ۔ وہ ہماری معاشرتی ،تہذیبی اور ادبی زندگی میں نشاۃ ثانیہ کا عظیم سبب ہیں ان کی نظر ہمارے عہد کے ادبی اسالیب وہ فکریات پر اعتبار کا درجہ رکھتی ہے انہوں نے تعلیم و تدریس تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اپنے عہد کے تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے ایک ترقی پسند متحرک اور فعال حلقہ پیدا کیا ہے یہ حلقہ کہکشاں ہائے ادبا وشعراء کے ارفع واعلیٰ انجمن ہیں اور اس کے گردار دو دنیا کے بہترین دماغ جمع ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ موصوف کی ادبی زندگی دو دہائیوں پر محیط ہے ان کا عظیم اور دیر پا کارنامہ وافر تعداد میں ہمارے سامنے ہے اور فی زمانہ کئی کتابیں زیر طبع ہیں شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلبا جہاں بھی رہیں گے موصوف کے لیے احترام وشکر کے جذبات ہمیشہ سرشار رہیں گے۔

زمانہ قدیم میں اردو شاعری میں صرف گل وبلبل اور لب ورخسار کی باتیں ہی قلمبند کی جاتی تھیں ۔ اسی طرح اردو ادب صرف عشقیہ داستانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔لیکن گزشتہ صدی میں اس سلسلے میں غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں اور ترقی پسند تحریک سے اردو شعر و ادب میں زندگی کے سلگتے مسائل سے بھی بحث کی جانے لگی ۔ خالد محمود بھی اسی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار ہیں۔اس کے باوجود ہوسکتا ہے کہ اردو ادب میں زندگی کے سنجیدہ مسائل پر بحث کی مزید گنجائش نکل سکتی ہے۔اس سباق میں تفصیلی گفتگو کے لیے ایک الگ باب اور اجلاس درکار ہے لہٰذا اس موضوع کو محفوظ کرتے ہوئے میں خود کو اصل گفتگو کی طرف رجوع کرنا چاہوں گا جو میرے گفتگو کا محور و مرکز ہے۔اردو اس وقت دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے یونیسکو کے اعداد وشمار کے مطابق عام طور پر سمجھی اور بولی جانے والی زبانوں میں چینی اور انگریزی کے بعد دنیا کی یہ تیسری بڑی زبان ہے۔اردو اپنی شکلیں زبان کے فطری ارتقاء اور فطری تغیر کے تحت بدلتی رہتی ہے ۔مختلف ادوار نے اسے مختلف ناموں سے پکارا ہے۔اردو کی سب سے قدیم شکل زبان دہلو ہے جو زبان دہلوی کہلائی۔اس طرح اپ بھرنشاؤں کے دور میں ریختی، کھڑی ،لشکری ، ہندی، ہندوستانی وغیرہ سے ہوتے ہوئے اردو کی

شکل میں مشہور ہوگئی۔اردو کی فیلولوجی یا اس لفظ کا سائنٹفک مطالعہ حتمی طور پر نہیں ہوسکا ہے، لیکن اب تک جو معلومات فراہم ہوئی ہیں اس کے تحت علامہ آئی آئی قاضی کے مطابق ''لفظ اردو اڑدو کو اپنی روزانہ بول چال میں ڈھیر یا بہت سی چیزوں کے جمع کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔'' پنڈت دتاتریا کیفی کے مطابق اردو کا لفظ اصلاً سنسکرت کا بھی ہوسکتا ہے۔ یہ لفظ ارداؤ سے نکلا ہے، ار کے معنی ہیں دل اور داؤ کے معنی دو۔ چونکہ یہ زبان ہندو مسلم تہذیب کے ملاپ سے وجود میں آئی اس لیے اس کا نام ارداؤ یعنی دو دلوں کو ملانے والا پڑ گیا۔مغل بھی اس زبان کو اردو کہہ کر پکارتے تھے جس کے معنی لشکر کے ہیں۔ ہندوستان کی تمام زندہ زبانوں میں اردو وہ زبان ہے جس کا لسانی سرمایہ تقریباً سبھی زبانوں میں ملتا ہے۔میر انشاء اردو کی پیدائش کے مختلف نظریات پر رائے زنی کرنا نہیں ہے البتہ اردو کی نئی بستیوں پر بات کرتے وقت اب یہ کہنا پڑتا ہے کہ اردو کا کوئی خاص علاقہ نہیں ہے مسعود حسن خان کے نظریات سے مجھے قطعی اختلاف نہیں لیکن کسی خاص خطے کو اردو کی جگہ قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا فقروں میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ملک وقوم کی ترقی کے لیے کتابوں کا مطالعہ نہایت ہی ضروری ہے۔علم سے ذہنی ترقی ہوتی ہے۔دل ودماغ کے دروازے شگفتہ اور وا ہوتے ہیں۔ذہن میں جدید نئے گوشے کھلتے ہیں جو عصری تقاضے کو سمجھنے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔اور ذہنی معیار بلند ہوتا ہے۔جس سے بالآخر پوری قوم کا ذہن روشن اور بالیدہ ہوتا ہے اور ہم ایک اچھے انسان اور مثالی شہری بن جاتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں کتابوں کے مطالعہ کی عادت بڑے بڑے مفکروں کے تحریک اور خاص طور سے بابائے تعلیم سرسید کی تحریک کے بعد بھی ابھی تک عام نہیں ہوا۔اس کی بہت سی وجہیں ہیں۔جن میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دانشوروں اور پڑھے لکھے طبقوں کو کتاب خریدنے کی عادت نہیں ہے۔شاید اس لیے کہ ہمارے معاشرے میں تعلیم کا اوسط بہت کم ہے۔جس کے ازالہ کے لیے فی زمانہ حکومت ہند کے ساتھ ساتھ چھوٹے بڑے معاشرتی تنظیم مثلاً راشٹریہ سیوک سنگھ اور

دوسرے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے حکمت عملی کے ساتھ دل دام سخن تعلیم کو عام کرنے کے لیے شب وروز سرگرم اور سرگرداں ہیں ۔ جو تعلیم کی جانب رجوع کرنے کے حوالے سے ایک امید افزاں علامت ہے ۔ جہاں کتابیں لکھنے ،خریدنے اور پڑھنے کا ماحول پیدا ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اچھی کتابیں لکھنے اور پڑھنے خریدنے سے انسانی زندگی میں اشتراک کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ جو عالمی اتحاد اور انسان دوستی کی سند اور ضمانت ہے اور بین الاقوامی لحاظ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنے علمی خزانے کا احساس اور انداز ہوتا ہے۔ جو عالمی سطح پر امن وآشتی اور قومی یکجہتی کو بحال کرنے میں کلیدی رول ادا کرتا ہے۔اس کی ضمانت دنیا کا سب سے بڑاانقلاب صنعتی انقلاب کے بطن سے پیدا شدہ مثبت اقدار پر محیط مختلف تحریکات ہیں ۔ پروفیسر خالد محمود کی کتاب اس قبیل کی ایک شاہکار کڑی ہے۔

پروفیسر خالد محمود کے کلام کا جائزہ لینے سے پہلے ان کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ پروفیسر خالد محمود 15، جنوری 1948ء کو سرونج ضلع ودیشہ مدھیہ پردیش میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام احمد شاہ خاں اور والدہ کا نام سلطان جہاں بیگم تھا۔آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ ریاض المدارس سرونج میں ہوئی۔ ہائر سیکنڈری کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ بھوپال آ گئے جہاں حمیدیہ گورنمنٹ کالج سے بی اے اور سیفیہ کالج سے بی ایڈ اور ایم اے (اردو) کے امتحانات پاس کیے۔ 1976ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے ہائر سیکنڈری اسکول میں بحثیت پی جی ٹی (اردو) آپ کا پہلا تقرر رہوا۔1989ء میں ''اردو سفرناموں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر پروفیسر مظفر حنفی کی نگرانی میں شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ سے پی ایچ ڈی کیا اور 1991ء میں بحثیت اسسٹنٹ پروفیسر اسی شعبہ سے وابستہ ہو گئے۔ 1998ء میں ایسوسیٹ پروفیسر ہوئے اور 2006ء میں پروفیسر بن گئے۔2010 سے 2013 تک شعبۂ اردو کی صدارت کے منصب پر فائز رہے۔2013ء آپ کی ملازمت کا آخری سال تھا مگر اعلیٰ کارکردگی کی بنیاد پر آپ کو تین سال کی توسیع دے دی گئی اور چالیس سالہ خدمات کے بعد 2016ء میں سبکدوش ہوئے۔ جامعہ

میں آپ کی ملازمت کا پورا عہد شاندار رہا۔ آپ کے دورِ صدارت میں کئی یادگار کام ہوئے۔ ''ارمغان'' کے نام سے شعبۂ اردو کا پہلا ادبی مجلّہ شائع ہوا۔ مجلّے کی سالانہ اشاعت کی اجازت ملی اور بجٹ منظور ہوا۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی کتابوں کے اردو تراجم کے لیے منسٹری آف کلچر گورنمنٹ آف انڈیا سے ایک بڑا پروجیکٹ ملا جس کے تحت چھیانوے لاکھ روپے کی خطیر رقم منظور ہوئی۔ اس گرانٹ سے ٹیگور کی 13 کتابیں اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ ان کی اشاعت ہوئی اور ٹیگور پر کئی سیمینار اور ورکشاپ منعقد کیے گئے۔ ٹیگور کے بعد دوسرے موضوعات پر بھی سیمینار ہوئے۔ ان کے مقالات بھی کتابی شکل میں شائع کیے گئے۔ جن میں ''اردو صحافت۔ ماضی اور حال''۔ ''ابن صفی۔ شخصیت اور فن''، ''خطبات شعبۂ اردو'' اور ''رابندر ناتھ ٹیگور۔ فکر و فن'' جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔

پروفیسر خالد محمود مشہور اشاعتی ادارے مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اپنی اس حیثیت میں آپ نے مکتبہ کی چار سو آؤٹ آف پرنٹ قیمتی کتابیں جن کی تعداد ''ہر کتاب گیارہ سو کے حساب سے بعد از طباعت چار لاکھ چالیس ہزار ہوتی ہے''، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے مکتبہ کی ایک پائی بھی خرچ کیے بغیر ری پرنٹ کرانے میں کامیابی حاصل کی جو آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اسی کے ساتھ مکتبہ کے مرکزی دفتر کے لیے جامعہ سے دو منزلہ عمارت بھی حاصل کر لی۔ یہ عمارت جامعہ کے مین روڈ پر واقع ہے۔ اس دوران آپ ماہنامہ ''کتاب نما'' اور بچوں کے ماہنامے ''پیام تعلیم'' کے مدیرِ اعلیٰ بھی رہے۔

2014 میں آپ دہلی اردو اکیڈمی کے وائس چیرمین مقرر ہوئے وہاں بھی آپ نے بڑے بڑے سیمیناروں، یادگاری اور توسیعی خطبوں نیز مختلف ادبی اور ثقافتی پروگراموں کا تسلسل قائم رکھا۔ بہت سی نئی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی جن میں اہم ادیبوں اور شاعروں کے مونوگراف شامل ہیں۔

پروفیسر خالد محمود بنیادی طور پر ایک ممتاز استاد، خوش فکر شاعر، ذہین طنز و مزاح نگار،

مترجم، نقاد اور صاحب اسلوب نثر نگار ہیں۔ آپ کی نثری کتب ''اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ''، ''ادب کی تعبیر''، ''نقوش معنی''، ''تحریر کے رنگ''، ''ادب اور صحافتی ادب''، تفہیم وتعبیر اور شاہ مبارک آبرو (مونوگراف) ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کے شعری مجموعے ''سمندر آشنا''، ''شعر چراغ'' اور ''شعر زمین'' بھی اہل نظر سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کے انشائیوں اور خاکوں پر مشتمل کتاب ''شگفتگی دل کی'' شگفتہ دلوں میں بہت مقبول ہے۔ آپ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی درخواست پر مشہور طنز و مزاح نگار ملا رموزی کا کلیات اپنے طویل مقدمے کے ساتھ چھ جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ دہلی اردو اکیڈمی کی جانب سے بھی آپ نے اردو میں طنز و مزاح کی روایت پر سہ روزہ کل ہند سیمینار منعقد کیا اور اس کے مقالات کو کتابی شکل میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب بہت پسند کی گئی۔ آپ نے درسی کتابوں کی ترتیب و تالیف میں بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں جنہیں آپ نے باشتراک مرتب کیا ہے۔

ملک کے متعدد علمی اور ادبی اداروں نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں انعامات و اعزاز پیش کیے ہیں۔ ساہتیہ اکیڈمی نے ترجمہ ایوارڈ، غالب انسٹی ٹیوٹ نے ''غالب ایوارڈ برائے اردو نثر'' دہلی اردو اکیڈمی نے شاعری، مدھیہ پردیش اردو اکیڈمی نے کل ہند میر تقی میر ایوارڈ اور دہلی اقلیتی کمیشن نے فروغ اردو ایوارڈ سے سرفراز کیا ہے۔ آپ کی شخصیت اور ادبی خدمات پر بہت سے مضامین اور کتابیں بھی لکھی جا چکی ہیں۔ 1998 میں ڈاکٹر سیفی سرونجی نے اپنے رسالے ''انتساب'' کا ایک ضخیم نمبر نکالا۔ 2009 میں بعنوان ''خالد محمود۔ شخصیت اور فن'' ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی۔ 2010ء میں ''خالد محمود بحیثیت انشائیہ نگار'' ایک اور کتاب تصنیف کر کے چھاپی۔ 2015ء میں برکت اللہ یونیورسٹی بھوپال نے محمد ایاز خان کو ''ڈاکٹر خالد محمود۔ فن اور شخصیت'' پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔

آپ نے دنیا کے کئی ملکوں خصوصاً کینیڈا، امریکہ، لندن، پیرس، نیدرلینڈ، سوئٹزرلینڈ،

جرمنی، بیلجیم ،آسٹریلیا، اٹلی (روم) ویٹکن سٹی، دبئی، شارجہ، ابوظہبی،سعودی عرب، ماریشس اور پاکستان کے ادبی اور سیاحتی سفر کیے ہیں اور بعض ملکوں کے سیمیناروں اور ادبی محفلوں میں شرکت کی ہے جو آپ کے تجربات کا روشن باب ہے۔

عہد حاضر میں شعروادب کا منظر نامہ چند ادبی چہروں کی روشنی سے منور اور تاباں نظر آتا ہے ولی سے لیکر میر تقی میر اور غالب سے اقبال، جگر اور فانی تک چند نام ادب میں ستاروں کی مانند نظر آتے ہیں ایسے ہی ناموں میں خالد محمود کا نام شامل ہی نہیں ہے بلکہ سنگ میل کا حکم رکھتا ہے ان کا میدان تحقیق ،تنقید اور شاعری ہے۔اس موضوع پر موصوف کی تقریباً دو درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔مزید یہ کہ موصوف شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں صدر شعبہ ہیں اور پچھلے دو دہائیوں سے تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ساتھ ہی باقاعدہ فکشن کے موضوع پر تحقیق بھی کر رہے ہیں ان کی بے شمار تخلیقات اسی تجربے اور تحقیق کا نتیجہ ہیں موصوف کی شخصیت اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکی ہے وہ نقاد ہی نہیں بلکہ ادبی صحافی، مترجم اور محقق کی حیثیت سے بھی مشہور ومعروف ہیں ڈاکٹر موصوف اس عہد کی وہ عظیم شخصیت ہیں جنھوں نے مردہ ادبی شریعت کی جسم میں نئی روح پھونکی ہے۔وہ ہماری معاشرتی ،تہذیبی اور ادبی زندگی میں نشاۃ ثانیہ کا عظیم سبب ہیں ان کی نظر ہمارے عہد کے ادبی اسالیب وہ فکریات پر اعتبار کا درجہ رکھتی ہے انہوں نے تعلیم وتدریس تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اپنے عہد کے تمام علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لیے ایک ترقی پسند متحرک اور فعال حلقہ پیدا کیا ہے یہ حلقہ کہکشاں ہائے ادبا وشعراء کے ارفع واعلیٰ انجمن ہیں اور اس کے گرد اردو دنیا کے بہترین دماغ جمع ہیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ موصوف کی ادبی زندگی دو دہائیوں پر محیط ہے ان کا عظیم اور دیرپا کارنامہ وافر تعداد میں ہمارے سامنے ہے اور فی زمانہ کئی کتابیں زیر طبع ہیں شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلبا جہاں بھی رہیں گے موصوف کے لیے احترام وشکر کے جذبات ہمیشہ سرشار رہیں گے۔

میرے لیے یہ بہت بہتر خبر ہے کہ اردو زبان کے اندر قومی شعور کے اجزا تلاش کرنے کا

سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ جڑوں سے کٹے ہوئے اس پورے معاشرے میں جس طرح کی بے ضابطگی اور انتشار کا پھیلاؤ ہوا ہے اس کو نظر میں رکھتے ہوئے اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ ہم اپنے معاشرے میں موجود تمام تہذیبی سلسلوں کو از سرِ نو دریافت کریں اور ان کے اندر قوم کی فلاح سے متعلق نکتوں کو وضاحت کے ساتھ ادبی میراث کا حصہ بنائیں تا کہ اردو ادب ہندوستانیوں کو ایک مشترکہ کلچر اور تہذیب کا خاکہ پیش کر سکے۔ اس کوشش میں راقم کس حد تک کامیاب ہو سکا ہے اس کا فیصلہ قارئین کے سپرد کرتے ہوئے شمع خراشی اور قلم فرسائی کرنے کی جسارت کروں گا۔

انشائیہ کے تقریباً وہی مفہوم و معنی سمجھے جاتے ہیں جو انگریزی کے لفظ ''ESSAY'' سے مراد ہے۔ ناول اور افسانہ کی طرح ''انشائیہ'' بھی مغربی ادب کے اثر سے وجود میں آیا۔ ''انشائیہ'' کی بندھی ٹکی کوئی ایک مخصوص تعریف نہیں ہے انشائیہ ذہنی پرواز کی اپج خیالات کی بلندی اور ذاتی تاثرات کو فنی انداز میں پیش کرنے کا نام ہے انشائیہ کا لکھنے والا اس کا خیال رکھتا ہے کہ اس میں علمیت یا افکار و مسائل کا بیان نہ صرف تخلیقی طور پر ہو بلکہ اس کی عبارت ادبی چاشنی شگفتگی، تاثر اور مزاح سے بھرپور ہو تا کہ قاری اس کو پڑھ کر ذہنی آسودگی کے ساتھ ساتھ قلبی مسرت بھی محسوس کرے۔ انشائیہ کے پرواز کا کمال یہ ہے کہ وہ آزاد خیالی کے ساتھ بات میں بات پیدا کرتا ہوا اپنے مضمون کو نئے نقطہ نظر اور نئی روشنی کے ساتھ دلچسپ انداز میں پیش کرے۔ اردو ادب میں ''انشائیہ'' کا آغاز سرسید کے ان مضامین سے ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق میں لکھے۔ انشائیہ میں مذہبی، سماجی، اخلاقی، علمی اور سیاسی غرض سب طرح کے مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ اردو انشائیہ کا مستقبل روشن ہے۔

اردو ادب میں فرحت اللہ بیگ حسن نظامی اور رشید احمد صدیقی کا نام خاکہ نگاری کے لیے بہت مشہور ہے۔ خاکہ انگریزی لفظ اسکیچ کا ہم معنی لفظ ہے۔ خاکہ ایک ایسی نثری صنف ہے جس میں کسی شخصیت کی تصویر کشی لفظوں میں کی جاتی ہے جس شخص کا خاکہ لکھا جاتا ہے اس کی جیتی

جاگتی تصویر سامنے آجاتی ہے۔خاکہ نگاری کا مقصد کسی شخص کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ قاری اس سے اچھی طرح واقف ہو جائے۔اور اس مخصوص شخصیت اور قاری کے درمیان ایک تعلق پیدا ہو جائے۔خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس شخصیت کا قرب حاصل ہو جس پر خاکہ لکھا جارہا ہے تاکہ اس کی زندگی کا ہر پہلو لکھنے والے کے سامنے ہو ایک اچھا خاکہ نگار کسی شخصیت کے اوصاف اس طرح بیان کرتا ہے کہ خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے اس سے مرعوب نہیں ہوتا اور خامیاں بیان کرتے ہوئے ہر طرح کے تعصب سے آزاد رہتا ہے۔اردو میں مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا ہوا مولوی نذیر احمد کی کہانی۔''کچھ میری کچھ ان کی زبانی''اور عصمت چغتائی کا خاکہ''دوزخی''اردو کے کامیاب ترین خاکوں میں شمار کیا جاتا ہے۔''گنجہائے گراں مایہ'' میں رشید احمد صدیقی نے بعض اہم شخصیتوں کے نہایت دل کش خاکے لکھے ہیں اردو کے معروف خاکہ نگاروں میں مولوی عبدالحق شاہد احمد دہلوی،سعادت حسن منٹو کے نام بہت اہم ہیں۔

افسانہ،اور رپورتاژ کی طرح خاکہ وانشائیہ نگاری بھی اردو میں دور جدید کی پیداوار ہے۔مولانا محمد حسین آزاد کی تصنیف آب حیات میں اسکی عمدہ مثالیں مل جائیں گی ہر چند کے آب حیات میں اردو شعراء کا تذکرہ ہے،لیکن شعراء کرام کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد حسین آزاد نے ان کی شخصیتوں کے جو خاکے کھینچے ہیں وہ بے حد دلکش اور توجہ طلب ہیں۔خاکہ اور انشائیہ نگاری کا کمال بھی یہی ہے کہ جس شخص کا خاکہ کھینچا جائے یا جس چیز پر انشائیہ لکھا جائے اس کی چلتی پھرتی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے،لیکن عمدہ اور معیاری خاکہ اور انشائیہ کی پہچان یہ ہے کہ اس میں شخصی خوبیاں اور خامیاں دونوں بیان کی جائیں۔

رشید احمد صدیقی کے بعد جدید دور میں بے شمار خاکے لکھے گئے مثلاً عصمت چغتائی، کرشن چندر،فکر تونسوی،مہندر ناتھ،سعادت حسن منٹو،سردار جعفری،باقر مہدی،پرکاش فکری، خالد محمود وغیرہ نے بے شمار خاکے وانشائیے لکھے ان خاکوں اور انشائیوں کے مطالعہ سے یہ اندازہ

ہوتا ہے کہ اردو میں خاکہ اور انشائیہ نگاری کی روایت بے حد شاندار معیاری اور مستحکم ہے۔

''شگفتگی دل کی'' خالد محمود کے انشائیوں اور خاکوں کا مجموعہ ہے۔مصنف کے ان انشائیوں اور خاکوں میں طنز ومزاح غالب ہے۔اس کتاب کے بیشتر مضامین ہند اور بیرون ہند کے مؤقر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔انہیں زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے ان کی نظر گہری اور وسیع ہے وہ محاوروں کا صحیح استعمال جانتے ہیں اور ان سے لطف پیدا کرتے ہیں۔اپنی تحریر کو بامعنی بنانے کے لیے الفاظ بھی معیاری استعمال کرتے ہیں۔اس کتاب میں چونکہ زیادہ تر خاکے ایسی شخصیتوں پر ہیں جن سے وہ متاثر ہوئے یا رہے ہیں اس لیے انہوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ صاحب خاکہ کو اپنی ظرافت کی گل افشانیاں دکھانے کے لیے تختۂ مشق نہ بنائیں۔اس لیے عام طور پر یہ خاکے بہت مودبانہ انداز میں لکھے گئے ہیں تاہم کہیں کہیں ظرافت کے ہلکے چھینٹے ضرور نظر آجاتے ہیں۔ہر خاکے میں کچھ ایسا التزام کیا گیا ہے کہ ممدوح کی شخصیت پوری طرح ابھر کر سامنے آجائے۔ان میں سے بعض خاکے میں تو ممدوح کی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا نظر آتا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خالد محمود ایک کامیاب خاکہ نگار ہیں۔اردو کے کلاسیکی ادب سے ان کی واقفیت بھی اعلیٰ درجہ کی ہے وہ ایک ہی ساتھ محقق نقاد شاعر و ادیب ہیں۔

اردو کے نامور عالمی ادیب ودانشور پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی اپنے ایک مضمون میں پروفیسر خالد محمود کی شخصیت پر بات کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آرا قائم کرتے ہیں۔شخصیت اور جذبات سے بھرپور شاعر خالد محمود بھی ہیں وہ بی ایڈ ہیں اردو میں ایم اے ہیں پی ایچ ڈی ہیں ادیب کامل،منشی فاضل،فاضل دینیات ہیں اور تعلیمی،تربیتی اور تجرباتی کورسیز سے متصف ہیں وہ شاعر ہیں،مقالہ نگار ہیں،تبصرے،خاکے اور انشائیے بھی انہوں نے لکھے ہیں اس سے ان کے دماغ کے لاتعداد احساسات کا اندازہ ہوتا ہے۔بحیثیت غزل گو ان کی فنکاری میں تخلیقی قوت ہے اور قدروں کی صحت مندی کو برتنے میں ذکاوت کی سطح بلند ہے ساتھ ہی ایما واشارہ میں عصری

حسّیت کے نقوش ابھارنے کا ہنر وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

خالد محمود کی شگفتہ تحریروں کا قائل ہر وہ شخص ہے جس نے انھیں پڑھا ہے یا سنا ہے۔ وجیہہ خدوخال کے مالک خالد محمود علمی وادبی حلقوں میں مقبول بھی اسی لیے ہیں کہ وہ خود بھی نستعلیق ہیں اوران کی تحریریں بھی۔ میرے سامنے ان کی تحریروں کا یہ مجموعہ ''شگفتگی دل کی'' ہے جس پر کچھ لکھنے سے پہلے میں یہ صاف کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ زندہ تحریریں وہی ہوتی ہیں جو آنکھوں سے پڑھی جائیں لیکن ہر لفظ دل میں اتر جائے۔ خالد محمود اس کتاب کے حوالے سے ایک خوش اطوار، خوش اسلوب، خوش فکر اور خوشخصال قلم کار کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کرتے نظر آتے ہیں لیکن دوران خوش طبعی جب ان کا قلم سنجیدگی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو یہ جان کر یقیناً حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ پچھلے 20-30 سالوں میں ادب کا مفہوم ہی بدل گیا ہے اب کسی سنجیدہ ادب کا مطلب ہوتا ہے کسی مخصوص فکر کو مشتہر کرنا جو ادبی کم سیاسی زیادہ ہو لیکن خالد محمود کی سنجیدگی ذرا دوسرے قسم کی ہے۔

> ''یوں دیکھا جائے تو صغریٰ آپا ساٹھ سال کی تو اسی دن ہو گئی تھیں جب ان کے مربی اور مشفق ماموں جان (عابد صاحب) اور ممانی جان (صالحہ آپا) انہیں چھوڑ کر چل دیئے تھے۔ ناز برداریاں کرنے والے نہ ہوں تو انسان فوراً ساٹھ کا ہو جاتا ہے''
>
> (''صغریٰ آپا وظیفہ یاب ہو گئیں''، صفحہ 33، ''شگفتگی دل کی''، خالد محمود)

صغریٰ مہدی کی ملازمت سے سبکدوشی کے موقع پر پڑھا گیا یہ مقالہ خالد محمود کی ان حسین تحریروں میں سے ایک ہے جس میں انہوں نے شگفتہ تحریروں کو وقار عطا کر دیا ہے لیکن پورے مضمون میں اندرونِ متن ایک کرب بھی موجود ہے کہ اب شعبوں سے صغریٰ مہدی جیسے کردار رفتہ رفتہ غائب ہوتے جا رہے ہیں جنھیں وہ اپنا کلیگ نہیں بلکہ بڑی بہن کہنے میں فخر محسوس

کرتے ہیں لیکن خالد محمود مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے اس مضمون میں کہیں بھی اس ناسٹلجیا کو جملوں کے اندرون سے کسی معمولی روزن کے ذریعہ بھی جھانکنے کا موقع نہیں دیا ہے۔

چونکہ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں استاد ہیں اور شعبۂ اردو سے وابستہ ہیں اس لیے وہاں موجود لوگوں پر ان کی نظر گہری ہے لیکن ان کی یہ گہری نظر کس قدر دور اندیش ہے اس کے لیے ان کا مضمون ''ذکر اس پری وش کا'' پڑھنا ہی نہیں چاہیے حفظ کر لینا چاہیے تا کہ اگر کبھی بھی جامعہ ملیہ میں کسی انٹرویو سے سامنا ہو تو خالد محمود دعاؤں کے مستحق قرار پائیں۔

> ''جامعہ ملیہ کو ادارہ بنانے میں گاندھی جی کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خاں اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں اور جامعہ ملیہ کو ادارہ بنائے رکھنے میں ڈاکٹر ذاکر حسین، پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر عابد حسین اور شفیق الرحمٰن قدوائی جیسی ہستیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔یعنی یہ تمام حضرات جامعہ میں رہے تو جامعہ ادارہ بنا۔ میری دلیل یہ ہے کہ یہ تمام ہستیاں مولانا محمد علی سے لیکر پروفیسر محمد مجیب تک جامعہ میں تو اب موجود نہیں لیکن ''لطیف صاحب'' کے اندروں میں بہر حال موجود ہیں۔سب کی روحیں عالم ارواح کو چلی جاتی ہیں لیکن مذکورہ بالا حضرات کا عالم ارواح لطیف صاحب ہیں''۔

ممکن ہے بہت سے قاری عبدالطیف اعظمی کو نہ جانتے ہیں لیکن یہ خاکہ اس انداز سے انہیں متعارف کراتا ہے کہ قاری عبدالطیف اعظمی کی شخصیت اور ان کے اورصاف ظاہر ہو جاتے ہیں ان کی شخصیت کی نگاری کر کے خالد محمود نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ شخصی مضامین اور خاکے جسے بظاہر تفنن طبع کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا جاتا۔اس کا دائرہ جتنا چاہیں وسیع کریں شرط صرف یہ ہے کہ آپ کی ذہانت یا ذکاوت کس درجہ کی ہے۔آپ سمجھ رہے ہونگے کہ خالد محمود صرف کڑوی

گولی کو شہد میں لپیٹ کر پیش کرتے ہیں اور یہی ان کی خوش قلمی ہے ایسا بھی نہیں ہے انھوں نے اپنی بلیغ نظری اور وسیع مطالعے سے لفظ گری کا ہنر بھی سیکھا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شگفتہ تحریر لکھتے وقت سب سے بڑی ضرورت جس شئے کی پڑتی ہے وہ ہے ایسے الفاظ و تراکیب جو نئے بھی ہوں اور معنی کی ترسیل میں آسانی بھی پیدا کریں تقریباً چاروں خاکے اور پانچوں انشائیے میں یہ صفت موجود ہے۔ انتساب سے شروع ہو کر قلم برداشتہ تک ان کی تحریر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اور آج کے نوجوان ادیبوں کو مطالعے کی دعوت دیتا ہے کہ ''دیکھیے میاں ادب کی خدمت یوں کی جاتی ہے۔

☆☆☆